وزارت معارف بلوچستان کا قیام اور مقاصد کا تحقیقی جائزہ

A research review of the establishment and objectives of the Ministry of Ma'arif Balochistan

Hidayat Ullah
PhD Scholer / Department of Islamic Thought, History & Culture,
Allama Iqbal Open University, Islamabad,
Email: hidayatnki@gmail.com
Prof. Dr. Shah Moeen ud Din Hashmi
Chairman, Department of Seerat Studies
Allama Iqbal Open University, Islamabad,
Email: moeen.uddin@aiou.edu.pk

Abstract
Khan of Qalat Mir Ahmadyar Khan established the Ministry of MA'ARIF (وزارت معارف) in 1935 to implement the Sharia system in Balochistan. It was a department related to religious affairs. This department was entrusted with important responsibilities. Islamic legislation and judiciary, construction and arrangement of Mosques and Semenaries in Balochistan and the elimination of illegal customs were among its main objectives. Maulana Shams-ul-Haq Afghani was appointed as the first Minister of MA'ARIF. From 1935 to 1955, this ministry continued to implement the Islamic system in the land of Balochistan for twenty years, promoting and developing religion and protecting the rituals of Islam.Maulana Shams-ul-Haq Afghani resigned from the ministry in protest after the establishment one unit and removal of powers. Due to unfavorable conditions, the ministry could no longer function, and it was abolished.
Keywords: Khan of Qalat,MA'ARIF, Balochistan, Afghani, illegal customs

بلوچستان کو اس کی جغرافیائی اہمیت اور سرحدی محل وقوع کے اعتبار سے ایشیاء میں اہم ترین بفر اسٹیٹ کی حیثیت حاصل رہی ہے۔اس لیے بلوچوں کو ہمیشہ اپنے سے زیادہ طاقتور اور باجبروت حکومتوں سے ٹکرانا پڑا ہے۔[1] برّصغیر کو یورپ سے ملانے کا واحد خشکی کا راستہ بلوچستان ہی تھا۔اسی لیے انگریز بہر صورت بلوچستان پر قبضہ کرنا چاہتے تھے۔چنانچہ جب وہ افغانستان پر قبضہ کرنے کا منصوبہ بنایا تو اس زمانے کے بلوچ خان میر محراب خان سے ان کے تعلقات میں تناؤ پیدا ہو گیا۔اس کا سبب یہ تھا کہ جب انگریزی فوج سندھ سے روانہ ہوئی تو راستے میں درّہ بولان پر بلوچ قبائل کی چھاپہ مار کاروائی سے انگریزی فوج کو بڑی دقتوں کا سامنا کرنا پڑا اور ان کا جانی اور مالی نقصان

ہوا۔ بولان میں انگریزوں کے ساتھ جو کچھ ہوا، اس کی ساری ذمہ داری خان قلات پر ڈال دی گئی۔ اور افغانستان سے قبل بلوچستان کو اپنے زیر تصرّف لانا ضروری سمجھا گیا۔[2]

سقوط قلات:

اس وقت بلوچستان پر میر محراب خان کی حکمرانی تھی۔ خان معظم محراب خان بھی قومی حمیت وغیرت، وطن اور اسلام دوستی کی خاطر اس معرکہ میں شہید ہو کر تاریخ میں امر ہو گئے، لیکن انگریزوں کی غلامی قبول نہیں کی۔ اس بارے میں میر گل خان نصیر اپنی کتاب "تاریخ خوانین قلات" میں لکھتے ہیں:

"اور خان صاحب نے فرمایا کہ انگریز لندن اور تمام ہندوستان کا بادشاہ ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ جو غلبہ اور قوت اُسے حاصل ہے اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے، لیکن اس ملک سے فرار ہو کر ہم کہاں جائیں۔ ہمارے آباء واجداد اسی سرزمین میں گزرے اور حکمرانی کرتے رہے ہیں۔ الحکم للہ وتوکلت علی اللہ۔ خدا ہمارے اس قول پر شاہد ہے کہ ہم بلا رو وریا اللہ کے لئے اپنا سر قربان کر دیں گے۔ ہر جابادابا دالحمدللہ کہ اپنی زندگی میں ہم نے کسی کے سامنے اپنا سر نہیں جھکایا، خود مختار حکمران رہے ہیں۔ اور پھر آج کیوں نہ سر کٹوا دیں، اور شہادت کا یہ بھرا جام نوش کریں۔ اللہ جلّ شانہ کی درگاہ سے ہمیں امید ہے کہ جرعہ شراب شہادت اس بندہ گناہ گار کو نوش کرائے گا۔"[3]

بلوچ قوم کا رد عمل:

سقوط قلات کے بعد انگریزوں نے بلوچستان سے شرعی نظام کو ختم کر کے سرداری نظام لاگو کیا۔ اس زعم میں کہ بلوچ عمائدین کو خوش کر کے اپنی حکومت مستحکم کیا جاسکے وقتی طور پر کچھ زعماء خوش بھی ہوئے۔ لیکن بلوچ حرّیت پسندوں کی ایک لمبی فہرست ہے، جنہوں نے انگریزی اقتدار کو چیلنج کر کے بھرپور مزاحمت کی، بلکہ بعض نے انگریزوں کے خلاف باقاعدہ جہاد کا اعلان کیا۔ ان معتبرین میں میر گوہر خان زہری، میر جعفر خان سرپرہ، میر مہر اللہ رئیسانی، میر یار محمد کرد، محراب خان، بلوچ خان نوشیروانی، میر بہرام خان، میر رحیم خان رخشانی، میر جیئند خان، میر چلبل خان، سردار لشکر خان مینگل، نورا مینگل، نواب خان محمد اور میر رسول بخش شامل ہیں۔[4]

سقوطِ قلات کے بعد بلوچستان کے سیاسی حالات:

1893ء میں خان خدائیدار خان کی معزولی کے بعد اس کے بڑے بیٹے میر محمود خان کو خان آف قلات مقرر کر کے حکومت ان کی حوالہ کی گئی۔ جبکہ عملاً اقتدار انگریزوں کے قبضے میں تھا، کیونکہ میر محمود خان ایک لاابال اور عیاش نوجوان تھا اور حکومتی معاملات سے یکسر بے خبر اور ریاستی امور سے ان کو کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ طبعاً عیش پسند اور آرام طلب تھا۔ اس کے دور کو بلوچ تاریخ کا اذیت ناک دور کہا جاتا ہے[5]

میر احمد یار خان کی تخت نشینی:

دسمبر 1931ء کو میر محمود خان انتقال کر گئے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے جلاوطن بھائی میر اعظم جان کو تمام سرداروں نے متفقہ طور پر خان تسلیم کر کے تخت نشین کر دیا۔ میر اعظم جان نہایت نیک اور پرہیزگار انسان تھے۔ عموماً بے نیاز اور مستغنی رہا کرتے تھے۔ جلاوطنی کے تجربوں نے انہیں قوت برداشت اور تحمل مزاجی عطا کی تھی۔ آپ کا دورانیہ انتہائی کم رہا اس لیے کوئی قابل ذکر کردار ادا نہ کر سکے۔ ستمبر 1933ء میں وفات پا گئے۔ ان کی وفات کے بعد ریاست قلات، خاران، ساراوان، مری اور جام آف لس بیلہ نے متفقہ طور پر میر احمد یار خان کو بتیس سال کی عمر میں خان آف ریاست قلات مقرر کیا۔[6]

دینِ اسلام اور مذہب سے احمد یار خان کی خاندانی دلچسپی تھی، اس لیے میر احمد یار خان نے ریاست کے دیگر شعبوں کو ترقی دینے کے ساتھ ساتھ شریعت کے نفاذ کو اپنا مقصد اولین بنایا۔ جس وقت میر احمد یار خان نے حکومتی فرائض اپنے ہاتھ میں لیے انھیں بہت سی مشکلات کا سامنا تھا وہ خود بیان کرتے ہیں:

"ابتداء میں جب میں نے ملک کی حکومت کے فرائض اپنے ہاتھ میں لیے تو بہت سی مشکلات سدِ راہ تھیں۔ لوگ ان پڑھ اور معاشرتی طور پر پسماندہ تھے سیاسی اور اقتصادی پستی اپنی انتہاء پر تھی۔ نظام حکومت انگریزوں کے ماتحت تقریباً آمرانہ اور جابرانہ تھا۔ حکومت برطانیہ نے اپنے یک صد سالہ دورِ حکومت میں عوام کی سیاسی بیداری، معاشرتی اور تعلیمی ترقی کی قطعاً حوصلہ افزائی نہیں کی تھی۔"[7]

میر احمد یار خان اپنے جد امجد میر نصیر خان نوریؒ کی طرح باکردار شخصیت کے مالک تھے۔ دین کے ساتھ خصوصی لگاؤ تھا۔ نماز پنج گانہ باجماعت ادا کرتے تھے تہجد گزار تھے۔ زکوٰۃ پابندی سے ادا کرتے اور خیر کے کاموں میں خوب خرچ کرتے تھے۔ فقراء و مساکین کی امداد فرماتے۔ بیواؤں اور یتیموں کی کفالت فرماتے۔ شادی، غمی اور بچوں کی ولادت پر مالی معاونت فرماتے۔ جمعہ کے روز کافی مقدار میں صدقہ و خیرات فرماتے تھے۔ خود دو حج کیے تھے۔ عمرے کے لیے مع اہل و عیال جایا کرتے تھے اور ہر سال آٹھ دس لوگوں کو اپنے خرچ پر حج کے لیے بھیجتے۔ آپ سادگی پسند تھے۔ تاج پوشی کے بعد سے آپ نے کھدر کا لباس اپنایا اور پھر عمر بھر کھدر ہی پہنا۔ آپ کی خوراک بھی عموماً سادہ ہوتی تھی، البتہ سجی آپ کو پسند تھی۔ اسی سے مہمانوں کی تواضع بھی فرماتے تھے۔ ادھیڑ عمر میں مسجد سے تعلق بڑھ گیا تھا۔ زیادہ وقت مسجد میں گزارتے۔ آپ نے کئی شہروں میں شاندار مساجد بنوائیں، ان میں امام و معلّم مقرر فرمائے اور مساجد کے تمام اخراجات اپنے ذمہ لے رکھے تھے۔ علماء اور مشائخ کا احترام فرماتے

،ان کی پند ونصیحت بلکہ تنقید تک کو خندہ پیشانی سے سنتے اور تعمیل کی کوشش فرماتے تھے۔ آپ کو اپنی عوام کی پسماندگی وزبوں حالی کا شدت سے احساس تھا۔ ریاست کا اقتدار پانے کے بعد آپ کے پیش نظر تین امور تھے۔

1۔ بلوچ ملت کا دستور العمل بمطابق اصول اسلام و قرآن رہے۔

2۔ بلوچ ملت دنیا کی باقی قوموں کی طرح ایک آزاد قوم ہو۔

3۔ ملتِ بلوچ متحد، متفق اور منظّم ہو۔[8]

وزارت معارف کا قیام ومقاصد:

میر احمد یار خان نے تخت پر متمکن ہوتے ہی بلوچستان پر اسلامی نظام کے اجراء کے لیے اقدامات اٹھائے۔ جس کی تفصیل انہوں نے اپنی کتاب میں کچھ اس طرح بیان کی ہے:

"1936ء اور 1937ء میں ہندوستانی سیاسی جماعتوں سے میل ملاپ پیدا کیا اور مشرق وسطیٰ کے اسلامی ممالک مثلاً عراق، فلسطین، سعودی عرب اور مصر وغیرہ کا دورہ کیا۔ بالخصوص فریضہ حج بجالاتے وقت روضہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضری کے دوران خانِ اعظم نے شرع انور کے اجراء اور بلوچستان میں ہر جہتی اصلاحات کے نفاذ سے متعلق عزم بالجزم کر لیا، اور اس سلسلے میں اس کو قلبی اور روحانی اطمینان بھی محسوس ہونے لگا۔"[9]

عوام کو مذہبی تعلیمات سے روشناس کرانے کی غرض سے مذہبی مبلغ اندرون ملک بھیج دیئے گئے، علماء کی ایک معقول اور فہمیدہ جماعت پیدا کرنے کی غرض سے ان طالب علموں کی جو ہندوستان کے مسلّمہ دینی مدارس میں جانا چاہتے تھے۔ ریاستی وظائف سے حوصلہ افزائی کی گئی۔ دیوانی مقدمات کو فیصل کرنے کے لیے ہر تحصیل میں محکمہ قضاء کو قائم کیا گیا۔ مجلس شوریٰ اور وزیر معارف کا عہدہ قائم کیا گیا۔ غرض یہ کہ شاطر اور غیر مذہب انگریزوں کی حکومت نے بلوچوں کو ان کی بلوچی تاریخ اور مذہب اسلام سے دور لے جا کر کھڑا کر دیا تھا۔ شرع انور کو نافذ فرما کر اور اسلامی احکامات کے لیے مبلغین مقرر کر کے اس کی تلافی کرنے کی کوشش کی گئی۔ اجراء شرع محمدی کے سلسلے میں اپنے عظیم المرتبت جد ذوالاکرام میر نصیر خان نوری علیہ الرحمۃ والغفران کے فرمانِ گرامی پر عمل درآمد کر لیا۔[10]

مؤرخہ 25 جمادی الثانی 1359ھ بمطابق یکم اگست ایک شاہی فرمان کے ذریعے ریاست قلات کے تمام شعبہ جات کا تعارف اور ذمہ داریاں جاری کی گئی۔ جس میں وزارت معارف کی ذمہ داریاں اور مقاصد کا بھی اعلان کیا گیا۔ شاہی فرمان پر غور کرنے سے اندازہ یہ ہوتا ہے کہ ریاست قلات میں وزارت معارف کا محکمہ بہت ہی زیادہ

اہمیت کا حامل تھا۔شاہی فرمان کا ابتدائیہ اوروزارت معارف سے متعلق احکامات کو ذیل میں اردو زبان میں نقل کیاجاتاہے:

فرمان شاہی مجریہ دربار عالیہ قلات مؤرخہ 25 جمادی الثانی 1359ء

بمطابق یکم اگست 1940ء

وزیر معارف درج ذیل فرائض سرانجام دیں گے:

الف: مملکت کی تمام دینی اور دنیوی معاملات کی نگرانی اور ریاست کے مسلم باشندگان کو دین پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرنا اور عمل نہ کرنے کی صورت میں ہدایات کا لائحہ عمل بنانا۔ریاست قلات کی نیابت میں مقدمات کے حوالے سے عام شرعی ہدایات اور قاضیوں کے طے کردہ شرعی فیصلوں پر نظر ثانی کرنا اور ان استفتاؤں کا جوابی فتویٰ دیناجو عدالتوں، نیابتوں، علاقہ جات اور صدر وزارت سے متعلق پیدا ہوں گے۔

ج: ائمہ مساجد، قاضیوں اور دار العلوم کے اساتذہ کی تقرری، برخاستگی، تبادلہ ورخصت۔

د: سیکرٹری تعلیم کو دینی تعلیم کے مدارس، نصاب ریاست کے مدارس میں مقرر اساتذہ کے تقرر، برخاستگی، تبادلہ ورخصت سے متعلق مشورہ دینا، سیکریٹری تعلیم کی مشاورت سے ایسا دستور العمل ترتیب دینا کہ جس سے طلبہ قرآن شریف، حدیث اور اسلامی تاریخ کا بہترین علم حاصل کر سکیں، دستور العمل کی تکمیل کے بعد اسے مشورہ اور منظوری کے حصول کے لیے علماء کے سامنے پیش کرنا، اور عملدرآمد کے لیے اس کے نقول کو ریاست قلات کی نیابت کی تمام مساجد کے اماموں تک پہنچانا۔

ھ: ریاست یعنی نیابت قلات یعنی قلات، سراوان، کچھی، جھالاوان، مکران، بندر پسنی اور جیونی میں مساجد کی نظم وضبط اور ان کے ائمہ کے لیے لائحہ عمل بنانا، اور ان کے کام کی نگرانی کرنا، نیابتوں کی مساجد اور ان کے ائمہ کے ناموں کو ایک رجسٹر میں درج کرنا۔اور نیابتوں کے افسران اور سردارانِ قوم پر لازم ہے کہ اپنے قومی علاقہ جات اور نیابتوں کے حدود سے متعلقہ مساجد میں دستور العمل کے نفاذ کے لیے ہر ممکن تعاون کریں۔

و: ریاست کی ترقی اور سیاست سے متعلقہ اہم امور میں وزیرِ معارف علماء سے مشاورت کریں گے۔[11]

یہ مذہبی امور سے متعلق محکمہ تھا۔جو 1935ء میں قائم کیا گیا۔ملک کے اندر اسلامی قوانین بنائے جارہے تھے اس کے لیے وزات معارف قائم کی گئی جو برّصغیر کے چوٹی کے علمائے دین پر مشتمل تھی۔[12]اس محکمہ کے تین اہم ذمہ داریاں تھیں۔

1۔اسلامی قانون سازی و محکمۂ قضاء 2۔تعمیر و تنظیم مساجد و مدارس بلوچستان 3۔غیر شرعی رسوم کا خاتمہ[13]

اسلامی قانون سازی و محکمۂ قضاء:

اس وزارت کے تحت محکمۂ قضاء کو از سر نو فعال بنایا گیا جس نے اسلامی قانون سازی کی ترتیب و تدوین کے لیے جید علمائے کرام کی خدمات حاصل کی گئی۔ جن کا سربراہ مولانا شمس الحق افغانیؒ تھے۔ اس بارے میں خان قلات اپنی ایک خواہش کا اظہار کچھ یوں کرتے ہیں:

"ملک کے اندر اسلامی قوانین بنائے جا رہے تھے۔ اس کے لیے وزارت معارف قائم تھی۔ جو برّ صغیر کے چوٹی کے علماء دین پر مشتمل تھی۔ ابتداء میں مولانا عرض محمد کو یہ وزارت پیش کی گئی۔ مگر انہوں نے دارالعلوم دیوبند کے ایک استاد مولانا شمس الحق افغانی کو اس وزارت کے لیے تجویز کیا۔ چنانچہ انہیں بطور وزیر معارف فائز کیا گیا۔ میری خواہش تھی کہ دستورالعمل کے بلوچستان میں کئے گئے کامیاب تجربے کے بعد پاکستان کو پوری دنیا کے لیے ایک مثالی اسلامی مملکت کے طور پر اجاگر کیا جائے۔"(14)

ان علمائے کرام نے سر دست نظام حکومت چلانے کے لیے ایک دستور العمل قلات مرتب کیا جس میں ریاست کا نظام اور عدلیہ کے لیے ضابطے مقرر کیے گئے تھے اس دستور العمل میں دیوانی اور فوجداری مقدمات کے شریعت مطہرہ کے اصول وضوابط کو سامنے رکھ کر نظام ترتیب دیا گیا تھا۔ یہ دستورالعمل یکم اپریل 1936ء کو بذریعہ ایک شاہی فرمان کے جاری کر دیا گیا۔ اس کے ابتدائیہ میں کچھ اس طرح کہا گیا:(15)

اس دستور کے دو حصے تھے۔ حصّہ الف میں فوجداری مقدمات کے لیے اصول و قوانین اور حصّہ دوم میں دیوانی مقدمات کے قوانین موجود تھے اور دونوں حصّے شریعت اسلامیہ کے عین مطابق تھے۔ بعد میں اسی دستور العمل میں ترمیم کر کے دستورالعمل دیوانی قلات بنا دیا گیا۔ اس کے علاوہ فوجداری مقدمات کے لیے اسلامی شریعت کے مطابق قوانین حدود، قصاص ودیت اور تعزیرات کے حوالے سے بھی قانون سازی کی گئی۔ جو قانون شہادت ریاست قلات، ضابطہ فوجداری ریاست قلات اور تعزیرات قلات کے نام سے مدوّن ہوئے اور قضاۃ کی رہنمائی کے لیے ترکی کے المجلۃ الاحکام العدلیہ کے طرز پر خود وزیر المعارف مولانا شمس الحق افغانیؒ نے "معین القضاۃ والمفتین" مرتب کی۔ پینل کوڈ تعزیرات قلات جاری کر کے بلا امتیاز سب کے بنیادی حقوق کا تحفظ کیا گیا۔ ظلم وجبر اور طبقاتی تفریق واستحصال کو روک دیا گیا۔ نفاذِ شرع اسلام اور محکمۂ وزارتِ معارف اور تعزیرات کے قوانین نے عام لوگوں میں اطمینان کا احساس پیدا کر دیا یہ بلوچی تاریخ میں فقید المثال موقع تھا کہ بلوچ تمام وکمال انسانی بنیادی حقوق سے بہرہ ور ہو گئے تھے۔ لیکن افسوس کہ اکتوبر 1955ء میں ون یونٹ کے قیام کے بعد یہ سارے قوانین منسوخ کیے گئے۔(16)

1935ء کو یہ فرمان جاری ہوا کہ آئندہ ریاست بلوچستان میں اسلامی قانون نافذ ہو گا۔ ہر تحصیل میں باقاعدہ قاضی مقرر کیے گئے۔ اس کی وجہ سے لوگوں کو بہت فائدہ ہوا اب چھوٹے بڑے مسائل وہیں حل کراتے تھے۔ فیصلے شرعی قوانین کے تحت ہوتے تھے۔ وکیلوں کی ضرورت بھی نہیں پڑتی تھی۔ نفاذ شرع اسلامی محکمۂ وزارتِ معارف اور تعزیرات کے قوانین نے لوگوں میں اطمینان کا احساس پیدا کیا۔ ان کو امن وامان کی ایک گونہ ضمانت مل گئی۔ یہ بلوچ تاریخ میں ایک فقید المثال موقع تھا۔[17]

وزیر معارف یا تو از خود اپیل کی سماعت کر کے فیصلہ صادر فرماتے یا وہ مقدمہ کے لیے مختلف قاضیوں کا پینل بنا کر ان کے سامنے سماعت کرتے اور فیصلہ صادر فرماتے۔ کچھ دور تک ایسا رہا کہ قاضیوں کے فیصلے کے خلاف اپیل قاضی مرکز کے پاس داخل ہوتی لیکن وزارت معارف کے قیام کے بعد طریقہ تبدیل کیا گیا۔ 1949ء کو ایک اور فرمان جاری کیا گیا کہ دیوانی مقدمات کا فیصلہ ہر حال میں شریعت کے مطابق کیا جائے امیر، غریب، سردار اور عوام کا فرق نہ کیا جائے۔ (18) ابتداء میں مرافعہ (اپیل) براہ راست وزیر معارف کے ہاں درج ہوتے تھے اور وہ قاضی عدالتوں پر بطور بالائی عدالت کے اپنا حکم جاری کرتے۔ مگر 1955ء میں دستور العمل دیوانی قلات میں ایک ترمیم کے تحت مجالس شوریٰ کا قیام عمل لایا گیا۔ یہ سب عدالتیں وزارتِ معارف کے ماتحت تھیں۔

قاضیوں کے فیصلہ جات پر اپیل کے لیے مجلس شوریٰ تشکیل دی گئی۔ جس کے ارکان یہ تھے۔

1۔ قاضی عبد الصمد سربازی 2۔ قاضی سعد اللہ 3۔ قاضی بشیر احمد 4۔ مولانا عبد الحلیم 5۔ مولانا تاج محمد

تعمیر و تنظیم مدارس و مساجد بلوچستان:

وزارت معارف بلوچستان کے فرائض میں یہ شامل تھا کہ بلوچستان کے سارے بڑے شہروں میں کہ وہ ریاست کے ہی خرچے پر مساجد تعمیر کریں۔ ان کی تعمیر اور دیگر اخراجات ریاست برداشت کرتی تھی۔ آج بھی بلوچستان کے بڑے شہروں میں یہ مساجد موجود ہیں اور ان کو مرکزی جامع کہا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ مدارس کے قیام پر خصوصی توجہ دی گئی۔ بالخصوص مستونگ میں ایک بہت بڑے جامعہ کی داغ بیل ڈالی گئی اور اس کو بلوچستان کے عظیم حکمران نوری نصیر خان سے منسوب کر کے جامعہ نصیریہ کہا گیا۔ جہاں پر دور دراز علاقوں سے طلباء آکر علم حاصل کرتے تھے جامعہ نصیریہ مولانا عرض محمد کی سرپرستی میں 1935ء کو پہلے قلات میں قائم کیا گیا پھر اسے مزید وسعت دے کر مستونگ منتقل کیا گیا۔ یہ درس گاہ جامعہ الازھر کی طرز پر بنائی گئی تھی۔ اس کے اخراجات کے لیے جو جائیداد اراضی وقف کی گئی تھی۔ اس کی مالیت تقریباً دو کروڑ روپے بنتی ہے۔ جامعہ میں دینی تعلیم کے علاوہ سکول بھی تھا۔ جہاں طلباء کو عصری تعلیم دی جاتی تھی، جامعہ میں ایک وسیع کتب خانہ بھی قائم کیا گیا۔ جہاں نایاب کتب

فراہم کی گئیں تھیں جامعہ نصیر یہ میں بلوچستان کے علاوہ سندھ، پنجاب، سرحد بلکہ ایران اور افغانستان تک کے طلباء آتے تھے۔ ان کی رہائش وطعام کے اخراجات ریاست کے ذمہ تھے۔ جامعہ کے تیس طلباء کو تعلیمی وظائف بھی دیئے جاتے تھے۔[19] علاوہ ازیں طلباء کے لیے وظائف جاری کیا گیا۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے بیرون ملک بھی بھیجا جانے لگا۔ مثلاً بلوچستان میں مسلم لیگ کے بانی اور قائد اعظم محمد علی جناح کے معتمد خاص قاضی محمد عیسیٰ مرحوم نے بیرسٹری تک تعلیم ریاستی مراعات سے حاصل کی۔[20]

اعلیٰ دینی تعلیم کے لیے پنجاب اور انڈیا کو بھی طلباء بھیجے جاتے تھے۔ اور وہاں طلباء کے لیے ماہانہ تعلیمی وظائف مقرر تھے۔ وہاں سے فارغ التحصیل کئی علماء بلوچستان کے مختلف علاقوں میں دینی علوم کی اشاعت وترویج میں مصروف ہیں۔ پنجاب میں پڑھنے والے طلبہ کو ماہانہ پندرہ روپے اور انڈیا میں پڑھنے والے طلبہ کو پچیس روپے ماہوار ملتا تھا۔ بنگالی اور ہندوستان کے دیگر علاقوں کے طلبہ ہندوستان میں پڑھنے والے بلوچستانی طلبہ پر رشک کرتے تھے کہ انھیں ریاست کی طرف سے ماہوار پچیس روپے سکالرشپ ملتا تھا۔ اور یقیناً 1938ء اور 1940ء کے زمانے میں ایک طالب علم کے لیے یہ ایک بہت بڑی رقم تھی۔[21]

خانِ قلات میر احمد یار خان اس محکمہ کی کارکردگی کے بارے میں کہتے ہیں کہ وزارت معارف کے قیام نے لوگوں میں مذہبی تعلیمات کی ایک نئی روح پھونک دی۔ دینی ادب کی کتابیں شائع ہونے لگیں۔ قرآن مجید کا بلوچی ترجمہ (جو قاضی عبدالصمد سربازی نے کیا تھا) اور براہوئی ترجمہ (جو مولانا عبدالکریم مرادنے کیا تھا) شائع کیا گیا۔ اس کے علاوہ علماء کو ہندوستان کے کونے کونے سے مدعو کیا جاتا تھا تاکہ لوگوں میں شعور کی بیداری میں اعانت کریں اور اسلامی تعلیمات عام ہو۔[22]

غیر شرعی رسوم کا خاتمہ:

صدیوں سے بلوچستان میں نظامِ زندگی کی اساس شریعت اور بلوچی روایات پر قائم تھی۔ اس عظیم امتزاج کو (جو کہ علاقہ کے لیے مناسب اور مفید تھا) انگریزوں نے ختم کرکے اس کے بجائے وزیر اعظم قلات، پی اے قلات اور اے جی جی کی مرضی ومنشاء کو عدل وانصاف کا محور بنادیا۔ غرضیکہ انگریز سیاسی طور پر ہر شعبہ زندگی پر چھا گئے تھے۔ جرگہ سسٹم اور دیگر قسم کے کالے قوانین کے اجراء کے ذریعے بلوچ قبائل کو ظلم وستم اور بے انصافی کا تختہ مشق بنایا جارہا تھا۔ مظلوم کی دہائی کوئی سننے والا نہیں تھا، ہر طرف خوف وہراس، بددلی اور بے انصافی کا دور دورہ تھا۔[23]

وزارت معارف کے تحت ایک فرمان جاری کیا گیا جس میں سب کو یہ کہا گیا کہ وہ اپنے معاملات شرعِ محمدی کے اصولوں کے مطابق حل کریں۔اس فرمان میں خواتین کے شرعی حقوق کے تحفظ کے علاوہ دیگر کئی اسلامی احکامات شامل ہیں، جن میں سے چند ایک مندرجہ ذیل ہیں:

1۔کوئی سردار کسی بھی شخص سے مالیہ وصول نہیں کرسکے گا۔قانون کی خلاف ورزی کی صورت میں سردار کے خلاف دوسروں کے مال پر قبضہ کرنے کا مقدمہ درج کیا جائے۔

2۔مال وجائیداد و حق مہر اور نکاح کے معاملات پر خواتین کو یہ حق حاصل ہو گا کہ وہ اپنے مقدمات قاضی کی عدالت میں پیش کریں۔اور قاضی اس بات کے پابند ہوں گے کہ وہ شریعت کی روشنی میں ان کے فیصلے صادر فرمائیں۔

3۔ریاست کے قدیم غیر شرعی معاملات سے "لبّ" اور "ولور" (شادی کے موقع پر شوہر سے بھاری رقم وصول کرنا) پر یہ حکم صادر کیا گیا کہ کوئی بھی عدالت ان پر نظر ثانی نہیں کرسکے گی۔شادی اور سٹّہ وٹہّ کی شادی کے معاملے میں حق مہر طے کرنے کے فیصلے کو عدالت اسلامی قوانین کی روشنی میں جانچ پرکھ سکے گی۔

4۔ریاست قلات میں شرعی اور دوسرے اسلامی اصولوں کے لیے تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا گیا۔جس کے لیے قاضی اور علماء مقرر کیے گئے۔

5۔تمام سردار میر و معتبرین کو اسلامی اصولوں پر سختی سے کاربند رہنے کی تلقین کی گئی اور انہیں یہ بھی حکم دیا گیا کہ وہ اپنے اپنے علاقوں میں عوام کو اسلامی قوانین پر زندگی گزارنے کی تحریک دیں۔

6۔علماء کو ہدایت کی گئی کہ وہ قرآن وسنت اور فقہ اسلامی پر خصوصی توجہ دیں اور عوام کو نماز، روزہ، زکوٰۃ اور باہمی معاملات کے اسلامی احکامات سکھائیں عوام کو غیر اسلامی حرکات مثلاً چوری، جھوٹ، بدنیتی، الزام تراشی ڈاکہ زنی اور زنا وغیرہ سے باز رہنے کی تلقین کریں۔(24) مزید یہ کہا گیا کہ اس کا اطلاق سب پر یکساں ہو گا۔آنے والے وقتوں میں دیوانی مقدمات جو سرداروں کے مابین ہو یا عوام کے مابین بغیر کسی فرق کے، اور بغیر کسی طبقاتی تفریق کے سب کو ایک ہی نظر سے دیکھا اور فیصلہ کیا جائے گا۔اس معاملے میں کسی بھی طرح کا امتیازی سلوک نہیں برتا جائے گا ۔متعلقہ عدالتیں ان ہی احکامات پر کاربند رہیں گے۔ان قوانین سے ہٹ کر انہیں مقدمات کو پرکھنے اور فیصلہ کرنے کا اختیار نہ ہو گا۔(25)

بلوچستان کی مختلف اقوام میں مستقل درجہ بندی پائی جاتی تھی بلوچ اقوام اشراف اور دیگر اقوام مثلاً جٹ، نخیب، مسطرب، درزادہ، وغیرہ کمین (کمزاد) تصور کئے جاتے تھے، اسی نسلی تناسب سے ان کے خون بہا میں تفاوت مرّوج تھا۔وزارت معارف کے ذریعے خان معظّم نے اس غیر شرعی اور خلاف فطرت قانون کو کالعدم

قرار دیا۔ بلوچستان کے قبائلی رسم ورواج میں جٹ، نخیب، درزادہ، غلام، ڈومب اور مرہٹہ وغیرہ اقوام کی خون بہا بلوچ اقوام کی نسبت بہت کم تھی۔ آپس کی لڑائی میں اگر ایک طرف سے ایک بلوچ مارا جاتا اور دوسری طرف سے تین جٹ یا نخیب وغیرہ مارے جاتے، تب بھی جٹ یا نخیب مقتولین کے ورثاء کو مزید چار پانچ سو روپے بلوچ مقتول کے ورثا کو بطور عوضانہ دینا پڑتے تھے۔ عموماً جٹ یا اسی سماجی مرتبہ کے دیگر پانچ باشندوں کا عوضانہ خون ایک بلوچ باشندے کے عوضانہ خون کے برابر ہوتا تھا۔ خان معظّم نے قلات کے تمام باشندوں کے لیے بلالحاظ قبائلی وسماجی مرتبہ ونسب مساویانہ عوضانہ وجرمانہ خون مقرر کرنے کا فیصلہ کیا۔ ایک متفقہ قرار داد میں خان قلات و اراکین اسٹیٹ کونسل نے ریاست کے تمام باشندوں کے لیے مساوی خون بہا منظور کیا۔ اور تمام لوگوں کو یکساں مساوات کا درجہ دیا۔ یعنی بحیثیت انسان اور اولاد آدم وہ سب برابر ہیں۔(26) شادی کے موقع پر شوہر سے عورت کے والدین یا عزیز واقارب خطیر رقم (بطور ولور و لب) لے کر دلہن پر خرچ کرنے کے بجائے خود کھاجاتے تھے، اسے قطعاً بند کر دیا گیا۔[27]

درد گر (فصلوں کی کٹائی کرنے والے مزدور) کو جسے بلوچی زبان میں لائی گر کہا جاتا ہے، اپنی مزدوری میں سے ٹیکس دینا پڑتا تھا، اس ٹیکس کو ختم کر کے باقاعدہ فرمان کے ذریعے اسے قابل مذمت اور کالعدم قرار دیا گیا۔(28) علاقے میں رعیّت کی ناداری ومفلسی کے پیش نظر مالیہ زمین کی شرح میں تخفیف کر دی گئی اور مالیہ وصول کرنے کا طریقہ آسان اور سہل الوصول بنایا گیا۔[29] سردار اور دیگر بااثر افراد اپنے ماتحت اور زیر اثر قبائل سے مالیہ کے نام سے ایک ٹیکس وصول کرتے تھے۔ جو کہ قبائل کے افراد پر دو بھیڑیں یا دس روپے فی کس سالانہ مقرر تھا۔ اس قبیح اور مبنی بر ظلم رسم کو ہمیشہ کے لیے کالعدم قرار دیا گیا۔[30] ریاست بھر میں حکومت کے کارندے لوگوں سے مفت جبری محنت یعنی بیگار لیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ان کے اونٹ اور بیل بھی بیگار میں پکڑ کر لے جاتے اور کئی کئی دن ان سے مفت کام لینے کے بعد خستہ اور زخمی حالت میں واپس کر دیئے جاتے۔ مزید ستم یہ کہ اس دوران نہ تو بیگاری جانوروں کو چارہ دیا جاتا اور نہ ہی ان افراد کو جو ان کے ساتھ ہوتے تھے کھانا دیا جاتا تھا۔ اور وہ منظر انتہائی دردناک ہوتا تھا، جب کسی بلوچ کے بیگار میں پڑتے ہوئے اونٹ پر سوار ہو کر حکومت کا کوئی ملازم اسے دوڑائے جارہا ہوتا اور پیچھے پیچھے غریب تن بدن عریاں، اور پاؤں سے ننگا بلوچ گرم دھوپ میں بھاگتا جارہا ہوتا تھا تاکہ بروقت منزل پر پہنچ کر اس ملازم کے لیے پانی اور جنگل سے لکڑیاں لانے کے علاوہ اپنے اونٹ کے لیے بھی گھاس اور چارہ جمع کر سکے۔ مکران اور کچھی میں بیگار شدید اور قابل نفرت حد تک رائج تھا۔ ایک فرمان کے ذریعے اس ظالمانہ اور انسانیت سوز رسم کو منسوخ کر دیا گیا۔[31]

بجار بلوچ علاقوں میں ایک اختیاری و امدادی چندہ ہے۔جو شادی بیاہ یا کسی دوسری اہم ضرورت کے موقع پر قبائلی لوگ ایک دوسرے کو دیتے ہیں انگریزوں کے دور حکومت میں سردار موروثی حق کے طور پر اپنے قبائل سے بجار جبراًوصول کرتے تھے۔چونکہ بجار کی کوئی مقدار و مدت متعین نہیں تھی۔اس لیے سردار سال میں کئی بار بجار وصول کرنے کو اپنے قبیلوں پر چڑھ دوڑتے۔پرس بھی بجار کی طرح ایک اختیاری امداد تھی۔جب کوئی شخص فوت ہوتا تو قبیلے کے دیگر افراد مویشی یا نقدی کی صورت میں ماتمی خاندان کو امداد دیتے تھے۔انگریزی دور اقتدار میں سرداروں نے لوگوں سے یہ ٹیکس بھی جبراً لیناشروع کیا تھا۔ان تمام جبری ٹیکسوں کو ختم کر دیا گیا۔[32]

ان بری رسومات کا راستہ روکنے کے لیے ایک اور فرمان 1949ء کو جاری کیا گیا جو کہ حسب ذیل ہیں:

مؤرخہ 13دسمبر1949ء

فرمان مجریہ دربار عالیہ قلات

حضور عالی! میں نے آج سے بارہ سال قبل بذریعہ فرمان نمبر 21مؤرخہ 6نومبر 1937ء ریاست میں ہدایت حکم جاری کیا تھا کہ تمام مقدمات جن کا تعلق میراث، ترکہ قرضہ، رہن و بیچ مال، آب واراضی اور مہر و نکاح وغیرہ کے ساتھ ہے، بذریعہ شرع انور فیصلہ کرائے جایا کریں، جب فرمان کسی حد تک عمل درآمد ہوتا ہے، مگر عمل کما حقہ طور پر نہیں ہورہاہے۔جس کو ان کی صحیح معنوں میں تعمیل کہاجاوے۔

یہ فرمان ہر ایک پر اطلاق رکھتا ہے، پس بحوالہ مذکورہ فرمان حضور عالی، حکم دیتے ہیں کہ آئندہ تمام مقدمات خواہ وہ سرداروں کے درمیان ہوں یا اُن کے فریقین عام طبقہ سے تعلق رکھتے ہو یا بلا امتیاز امیر و غریب بذریعہ شریعت غرّا فیصلہ ہوا کریں گے۔اس عمل میں کسی قسم کے لیت و لعل نہ کیا جائے، عدالت ہائے متعلقہ کا فرض ہوگا، کہ وہ بموجب فرمان مکمل طور پر عمل کرایا کریں اس سلسلہ میں کسی عذر و حیلہ سماعت نہ کیا جایا کرے۔

ان مقدمات کے ہر دو فریقین یا احد الفریق غیر مسلم ہو۔اُن کو اُن کی منشاء کے بغیر جبراو حکماً شرع بھجوایا جایا کرے۔

فرمان ان مقدمات پر حاوی نہیں ہوگا، جو مارچ 1948ء سے قبل فیصلہ ہو چکے ہیں۔

(اعلیٰ حضرت بیگلر بیگی خان آف قلات)[33]

خلاصۃ البحث:

خان قلات میر احمد یار خان نے بلوچستان میں شرعی نظام کے نافذ کے لیے 1935ء میں وزارت معارف کو قائم کیا۔یہ مذہبی امور سے متعلق محکمہ تھا۔اس محکمے پر اہم ذمہ داریاں سونپی گئیں۔اسلامی قانون سازی و محکمۂ قضاء، تعمیر و تنظیم مساجد و مدارس بلوچستان اور غیر شرعی رسوم کا خاتمہ اس کے بنیادی مقاصد میں شامل تھے۔

مولانا شمس الحق افغانیؒ کو پہلا وزیر المعارف مقرر کیا گیا۔ یہ وزارت 1935ء سے لے کر 1955ء تک بیس سال مسلسل سرزمین بلوچستان میں اسلامی نظام کے نفاذ، دین کی ترویج و ترقی اور شعائر اسلام کا تحفظ کرتی رہی۔ اسلامی تعلیمات کو عام کرنے میں اس وزارت کا کردار نمایاں رہا۔ 1955ء میں ون یونٹ کے قیام اور اختیارات کے سلب ہونے پر وزیر معارف مولانا شمس الحق افغانیؒ وزارت سے احتجاجاً مستعفی ہو گئے۔ نامساعد حالات کی وجہ سے وزارت مزید نہ چل سکی، اور اس کا خاتمہ کر دیا گیا۔

حواشی

[1]۔ میر احمد یار خان، مختصر تاریخ خوانین بلوچ، (مستونگ: زمرد پبلیکیشنز، 1972ء)، ص3۔

[2]۔ فاروق بلوچ، بلوچ اور ان کا وطن، (لاہور: فکشن ہاوس، 2009ء)، ص157۔

[3]۔ میر گل خان نصیر، تاریخ خوانین قلات (کوئٹہ: نساء ٹریڈرز جناح کلاتھ مارکیٹ، 1982ء) ص131 تا132۔

[4]۔ میر گل خان نصیر، تاریخ بلوچستان، ص374۔

[5]۔ ایضاً، ص365۔

[6]۔ ایضاً، ص475۔

[7]۔ میر احمد یار خان، قلات پاکستان کے ساتھ ہے، (کوئٹہ: ط ن، س ن)، ص580۔

[8]۔ گل خان نصیر، تاریخ بلوچستان، ص500۔

[9]۔ میر احمد یار خان، مختصر تاریخ بلوچ و خوانین بلوچ، ص132۔

[10]۔ میر احمد یار خان، مختصر تاریخ بلوچ و خوانین بلوچ، ص138۔

[11]۔ ڈاکٹر صلاح الدین مینگل، قدیم نظام عدلیہ، (کوئٹہ: براہوئی اکیڈمی، 2023ء) ص26۔

[12]۔ اختر علی خان بلوچ، بلوچستان کی نامور شخصیات، ج1 ص241۔

[13]۔ ڈاکٹر سید حیدر شاہ "میر احمد یار خان کے اصلاحی کارنامے" ھنکین ج1 شمارہ1 (2009) ص110۔

[14]۔ اختر علی بلوچ، بلوچستان کی نامور شخصیات، ج 1 ص31۔۔۔۔۔سید حیدر شاہ، "میر احمد یار خان کے اصلاحی کارنامے"، ص110۔

[15]۔ ڈاکٹر صلاح الدین مینگل، قدیم نظام عدلیہ قلات، ص19۔

[16]۔ آغا نصیر خان احمد زئی، تاریخ بلوچ و بلوچستان (کوئٹہ: نوری نصیر خان مرکز اشاعت، 2000ء)، ج7 ص235۔

[17]۔ خان، تاریخ خوانین بلوچ، ص142۔

[18]۔ قاضی محمد انور سند ھیلہ ،ذکری ریاست قلات کے حکمرانوں کی نظر میں (بھاگ ناڑی: مکتبہ دارالعلوم،1996ء)، ص32۔

[19]۔ڈاکٹر عبدالحمید شاہوانی، جامعہ نصیریہ مستونگ،(غیر مطبوعہ) ص4۔

[20]۔اختر علی خان بلوچ، بلوچستان کی نامور شخصیات،(کراچی: رائل بک کمپنی،1994)، ج1ص 114۔

[21] ۔عبدالعزیز قلندرانی، علم نایاب(مستونگ: براہوئی اکیڈمی، س ن) ص79۔

[22]۔میر احمد یار خان، بلوچستان کے نام خان بلوچ کا پیغام،(کراچی: ایوان بلوچ،1974ء)، ص50۔

[23] ۔میر احمد یار خان، مختصر تاریخ بلوچ وخوانین بلوچ، ص124۔

[24]۔میر احمد یار خان، تاریخ خوانین بلوچ(کوئٹہ: اسلامیہ الیکٹرک پریس،1947)، ص150 تا152۔

[25]۔حاجی عبدالغفار، کنزی،(کوئٹہ: بلوچی اکیڈمی،1999ء)، ص178۔

[26]۔ڈاکٹر شاہ محمد مری، بلوچ قوم قدیم عہد سے عصر حاضر تک،(لاہور: تخلیقات،2000ء)، ص278۔

[27]۔ملک فیض محمد یوسفزئی، یاداشتیں(بلوچستان: پراگریسو رائٹرز ایسوسی ایشن،1997)، ص57۔

[28]۔میر احمد یار خان، تاریخ خوانین بلوچ، ص144۔

[29]۔میر احمد یار خان، تاریخ خوانین بلوچ، ص144۔

[30]۔میر احمد یار خان، تاریخ خوانین بلوچ، ص144۔

[31]۔یوسفزئی، یاداشتیں، ص57۔

[32]۔میر گل خان نصیر، تاریخ بلوچستان(کوئٹہ: نساء ٹریڈرز،1982)، ج2ص454۔

[33]۔ڈاکٹر صلاح الدین، قدیم نظام عدلیہ، ص79۔